پروفیسر محمد حسن

حرفِ اشفاق

(دیٹ ڈے ول ڈان کے صفحات پر)

اشفاق حسین سے ملاقات پہلے ہوئی' ان کی شاعری سے بہت بعد میں- اور یہ مہلک ہے کیوں کہ ان کی شخصیت جس قدر شگفتہ' ہنس مکھ' مرنجان مرنج اور زمانے سے سمجھوتہ کیے ہوئے بے نیل و مرام قسم کے انسان کا پتا دیتی ہے' ان کی شاعری اتنی ہی مختلف ہے-

یہاں تو ایک ایسا آدمی نظر آتا ہے جو تیز ہواؤں کی زد پر کھڑا ہے، خاصی اونچائی پر کھڑا ہے اور چراغ جلانے پر بضد ہے- ایک ایسا آدمی جو تنہائی سے چور چور ہے' جس کا دل درد سے ٹکڑے ٹکڑے ہے' جو تڑپتا ہے' کراہتا ہے اور پھر اس درد میں صرف اس کا اپنا ہی درد نہیں ہے اس میں تو اس کے مسمار خوابوں کا درد و کرب بھی شامل ہے- خواب--- اپنے وطن کو سرخرو' آزاد اور خوش حال دیکھنے کا خواب- اور اپنی دھرتی کے باسیوں کے چہروں کو دور دراز کے ملکوں کے چھپے ہوئے رسالوں کی تصویریں کی طرح جاگتا جگمگاتا اور خوش و خرم دیکھنے کا ارمان-

جہاں میں ہوں/ یہ رستہ میں نے/ تصویروں میں دیکھا تھا/ یہ ساتوں رنگ میں ڈوبی ہوئی سڑکیں/ اور ان سڑکوں پہ چلتے لوگ/ یوں لگتا تھا/ جیسے مٹھیوں میں ان کی/ خوشحالی کے جگنو قید ہیں اپنی خوشی سے/ ان کے چہرے مسکراتے/ روشنی سے/ زندگی سے/ یہ تصویریں چھپی تھیں/ پہلی دنیا کے رسالوں میں/ میں ان تصویروں کے ہر زاویے کو/ دیکھتا رہتا تھا حیرت سے/ یہ تصویریں سجی تھیں/ میرے خوابوں میں/ خیالوں میں/ مگر میں آج/ اس دنیا میں/ ان اونچی عمارات/ اور اس روشن محلّے میں/ بہت گندے سے اک "سب وے" کے پاس آ کر/ بہت حیراں کھڑا ہوں/ برابر

میں بجاتا ہے گٹار/ اک زندگی سے خالی چہرے والا فنکار/ میں موسیقی کے فن کی داد دوں/ یا اُس کے خالی ہاتھ میں/ اپنے پرانے خواب کی تعبیر دے دوں/ میں اس کو/ پہلی دنیا کے رسالوں میں چھپی تصویر دے دوں؟ (نظم: اونچی عمارتوں کے محلے میں)

مگر یہ ارمان ایسے ٹوٹے اور اس طرح بکھرے کہ حسّاس اور دردمند دل پر پتھر رکھ کر وطن سے کنارہ کر کے ہمیشہ کے لیے ہجرت کو مقدر بنالیا اور اس پر تیار ہو گئے کہ آئندہ سے اپنا کوئی گھر نہ ہوگا۔ مگر زمین پیچھا کرتی رہی اور دھرتی سے لگاؤ کی یہ للک چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ ارمان پیچھا کرتے ہیں اور اس خوش حالی کا پیچھا کرتے کرتے وہاں تک آ پہنچا جو دور دراز کے ملکوں کے رسالوں کے رنگین صفحات کی زینت تھے۔ وہ اچانک یہ ارمان بھی کر بیٹھتا ہے کہ اپنی آنکھوں سے نہ سہی اپنے بچوں کی آنکھوں سے ہی سہی مستقبل کی زندگی کی خوش حالی کو دیکھ سکے۔

میں تمہاری آنکھوں سے
وہ زمانے دیکھوں گا
جو ابھی نہیں آئے

آنے والی دنیا کی اس جھلک میں شاید اس کا اپنا وطن بھی شامل ہو۔ وطن جس سے اُس نے اس لیے ہجرت کی تھی کہ اس کی پسماندگی دیکھی نہیں جاتی تھی اور جہاں کا دستورِ زبان بندی اس اس بے اطمینانی کے اظہار کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔

دیپ جلتے تھے، فروغِ شبِ ظلمت کے لیے
کم نہ تھی بات یہ اُس شہر سے ہجرت کے لیے
اے گزر گاہِ غریبِ الوطنی تو ہی بتا!

کون سے پھول چنوں تیری عقیدت کے لیے
وہ ہوا کو ن سے رُخ پر تھی کہ جس کے آگے
ہر زباں گنگ تھی اظہارِ صداقت کے لیے
پتیاں سوکھ کے کانٹا ہوئیں ہریالی میں
موسمِ شہر کے زخموں کی جراحت کے لیے
پو چھ سکتا ہی نہ تھا کوئی وہاں پر یہ سوال
پیڑ کیوں کٹ گئے ، پھولوں کی حفاظت کے لیے

(گزرگاہ غریب الوطنی)

یہ ہیں شاعری والے اشفاق حسین جو میرے نزدیک گرم جوشی سے ملنے والے مرنجان مرنج اشفاق حسین سے بالکل الگ سے ہیں-مگر شاعر اشفاق حسین کی دردمندی اور زہرہ گداز تنہائی کی دوسری جہات پر غور کرنے سے قبل لازم ہے ایک نظر مرنجان مرنج اشفاق حسین پر بھی ڈالی جائے-

کینیڈا میں آباد ہونے کے بعد ایک طرف اگر وہ اپنے کاروبار میں مصروف ہیں تو دوسری طرف شاعری کی زلفوں کے اسیر بھی ہیں-مگر انہوں نے وہاں کمال یہ کیا کہ ''اردو انٹرنیشنل'' کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ نکالا اور شمالی امریکا کے پورے علاقے میں جہاں کہیں اردو کا نام اور کام ہے وہاں اشفاق حسین نے اپنی سرگرمیوں کا سلسلہ ضرور پھیلایا ہوا ہے- ہر سال ادبی اجتماع' مذاکرے اور مشاعرے بھی با قاعدگی سے کرواتے ہیں اور ہند و پاک کے ادیبوں کو مغرب سے اور مغرب کو اردو ادب سے واقف کرانے کا تاریخی کام بھی انجام دے رہے ہیں- یہ ساری خدمات ہی کسی شخص کی کارکردگی کے ثبوت کے لیے کافی ہیں- پھر تفاخر' پندار اور غرور جیسے لفظوں سے ناواقف- نہ خوشامد طلب نہ خوشامدی'

نہ تنک نہ طنطنہ- انکساری اور تمیز داری ایسی کہ ہزاروں میل دور لکھنؤ یاد آ جائے-مگر خاص بات یہ ہے کہ اس شائستگی کے ساتھ آ گہی اور بصیرت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا اور ذہنی قدامت پسندی اور دقیانوسیت کی قدغنوں کو ہر لمحہ رد کرتے رہنے کا مسلسل عمل جاری رہتا ہے- یہ شخصیت بھی کچھ کم دل آویز نہیں ہے اور اپنے طور پر ادب اور دانش کی خدمت کے اعتبار سے بہت قابل قدر ہے-

مگر شاعر اشفاق کی تو بات ہی دوسری ہے-غزل اور تغزل کی کھنک کے باوجود اشفاق کی شاعری نظم کی شاعری ہے- ان کی غزلوں میں بھی خیالات کا تسلسل ملتا ہے-وطن سے کم والی ردیف کی غزل پر ایک نظر ڈالیے تو نظموں جیسی تسلسل کی یہ صورت ان کی بہت سی غزلوں میں نظر آئے گی-

ہم اجنبی ہیں یہاں پر مگر وطن سے کم
دھواں دھواں سا ہے منظر مگر وطن سے کم
شناخت اپنی ہم اک روز بھول جائیں گے
ہمیں ہے اس کا یہاں ڈر مگر وطن سے کم
بچھے ہوئے ہیں بہ اندازِ دیگراں اس بار
ہماری راہ میں پتّھر مگر وطن سے کم
نظر نظر ہے وہی ہجر منزلوں کا غبار
قدم قدم ہے سمندر مگر وطن سے کم
اُداسیوں نے بسیرا کیا ہے آنکھوں میں
کچھ اور بوجھ ہے دل پر مگر وطن سے کم
چراغ بن کے بدن کے سیہ اندھیروں میں

یہ دل بھی جلتا ہے شب بھر مگر وطن سے کم

اشفاق حسین کی شاعری کے در و بست کو سمجھنے کے لیے ایک تو اس کے تصوراتی نظام کی پہچان ضروری ہے اور دوسرے اس کی امیجری کے نظام کی شناخت- یہ تصوراتی نظام خاصا سیدھا سادھا ہے مگر ہے فیشن اور فارمولے سے آزاد- یہ انسانی آزادی' مساوات اور سماجی انصاف کے خواہش مند ایک ایسے نو جوان کا میثاقِ حیات ہے- بقول اختر الایمان: جسے حسن سے بھی لگاؤ ہے جسے زندگی بھی عزیز ہے- ایک مطمئن اور کم سے کم بنیادی ضروریات کی حد تک آسودہ معاشرے کی تلاش کا کانٹا اس کے دل میں کھٹکتا ہے-

تم سمجھتے ہو
آنکھوں پہ اک سبز عینک لگا کر
یہ بے سبزہ میدان
سرسبز و شاداب بن جائیں گے؟
یہ بے آس فصلیں
خزاں کا لباس
اپنے جسموں سے یوں نوچ لیں گی
کہ جیسے کوئی سوکھا پتّا
ہواؤں کے بے رحم جھونکوں کے ہاتھوں
وجود اپنا کھو بیٹھتا ہے
تم سمجھتے ہو

بس اک تمھارے لبوں کی ہنسی کے سبب

یہ ماحول کی تلخیاں

خود بخود ہو کے تحلیل مر جائیں گی

یہ تو ممکن نہیں

کیوں نہ ہم

اپنے ماحول کے تھرتھراتے لبوں سے

یہ بے چارگی چھین لیں

ایک بوسیدہ دیوار کی اوٹ میں چھپ گئی ہے جو یہ چاندنی

چھین لیں

روشنی چھین لیں

زندگی حق ہمارا ہے

ہم

موت سے زندگی چھین لیں

دل میں اس کانٹے کے کھٹکنے کے باوجود ہنستے ہنستے بھی اسے اچانک مرجھائے ہوئے ان پھولوں کا خیال آتا ہے جن کی شاخوں کو محض آرائشی طور پر سجا دیا گیا ہے- وہ اپنے خوشی کے لمحوں میں بھی ان فاقہ زدہ انسانوں--- اپنے ہم وطنوں اور کسی بھی کرہ ارض پر مصیبت و ابتلا میں گھرے ہوئے لوگوں کو نہیں بھول پاتا جو انسانیت کی معمولی سے معمولی خوشی کے لیے ترس رہے ہیں اور اس طرح ایک دن ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے- اشفاق کی شاعری کا تصوراتی نظام اسی جہدِ حیات میں شرکت اور شمولیت

سے عبارت ہے اور اسی بنا پر وہ فیشن اور فارمولے سے دامن بچا کر روایتی مایوسی کے بجائے صلابتِ فکر سے ایک بہتر مستقبل کے لیے حال کے اندھیروں کو دور کرنے کا اعتماد ضرور حاصل کرتا رہا ہے۔

اشفاق کی شاعری ہندو پاکستان کی اردو شاعری میں ایک عالمی آگہی والی بصیرت اور اعتماد کی جہت کا اضافہ کرتی نظر آتی ہے۔ وہ تھک کر بیٹھ رہنے والی خود رحمی والی شاعری نہیں ہے۔ وہ قدروں کے لٹ جانے کا مرثیہ بھی نہیں ہے اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ یہ شاعری روایتی علامتوں اور مذہبی اساطیروں کی تلمیحات سے بڑی حد تک پاک اور صاف شاعری ہے جسے مستقبل کے بارے میں خود فریبی نہیں' کوئی رنگین بھرم بھی نہیں مگر ساری دشواریوں اور ناممکن نظر آنے والی توقعات کے باوجود اپنے پر وہ اعتماد اور ارتقا پر وہ بھروسہ ہے جو زندگی کو ساری دل شکستگیوں کے باوجود دل کش بنا دیتا ہے۔ دل شکستگی اور دل کشی کا یہ منظر نامہ ان کی نظم ''میں تنہا نہیں ہوں'' میں خاصی شاعرانہ وضاحت سے نظر آتا ہے۔

سیہ رات کی شاہراہوں پہ جب
مرے ساتھ شہروں کی آوارگی رقص کرتی ہے
اور گیت گاتی ہے دھیمے سُروں میں
تو میں سوچتا ہوں
میں تنہا نہیں ہوں
یہ سڑکیں جو سورج نکلتے ہی
مصروفِ آہ و فغاں ہو گئی تھیں
مرے نغمۂ خامشی کی زباں بن گئی ہیں
محبت کا اک مہرباں آسماں بن گئی ہیں

میں جب ان کی بے روح بانہوں پہ سر رکھ کے سوتا ہوں

تب سوچتا ہوں

میں تنہا نہیں ہوں

میں جس گھر میں رہتا ہوں

دہلیز اس کی گئی رات تک

کچھ ستارے مری راہ میں چنتی رہتی ہے

اور چاہتی ہے کہ میں

صبح کی ہلکی ہلکی سپیدی سے پہلے ہی گھر لوٹ آؤں

میں جب ایسے عالم میں گھر لوٹتا ہوں

تو یہ سوچتا ہوں

میں تنہا نہیں ہوں

یہ الماریوں میں

کتابیں جو بے ڈھنگے پن سے سجائی گئی ہیں

یہ ساری کتابیں

مری راہ تکتی ہیں اس آرزو میں

کہ جیسے کتابوں کے بے ربط جملوں کو معنی پنہانا مرا کام ہے

مسیحا کا جو کام ہے

ان کی نظروں میں وہ اب مرا کام ہے

مسیحا بنا ہوں

تو یہ سوچتا ہوں

میں تنہا نہیں ہوں

قلم اور کاغذ کے کچھ میلے ٹکڑے

مری سمت ہر رات یوں دیکھتے ہیں

کہ جیسے ابھی نیلگوں آسماں کی طرف سے

حروف اور لفظوں کا اک کارواں آنے والا ہے

اپنی عنایت لیے

تو پھر ایسے لمحوں میں

میں سوچتا ہوں

میں تنہا نہیں ہوں

یہ سب کائنات

ان گنت روپ میں میرے ہمراہ ہے

میرے ہمراہ ہے

کسی نے جمالیاتی کیفیت کو زائد انرجی کا کم سے کم وقت میں ارتکاز سے تعبیر کیا ہے- اسی لیے استعارہ عام الفاظ سے زیادہ پر کیف ہوتا ہے کہ وہ کئی تصویروں کو ایک لفظ یا کم سے کم لفظوں میں مرتکز کر دیتا ہے- اشفاق نے اپنی نظموں میں امیجری کی اس مرتکز کیفیت کو جا بجا اپنایا ہے- یہ دو کیفیات یا دو اشیا کے درمیان حروفِ ربط کو ترک کر کے مرکب کیفیت میں ڈھالنا اشفاق کے ہاں عام ہے اور یہی

اشفاق کا خوب صورت امیجری نظام ہے۔

یاد

شب کسی مہرباں کی یاد آئی
صبح تک جاگتی تھی تنہائی
روشنی تھی چراغ چہروں کی
تیرگی کھو چکی تھی بینائی
نیند ناراحتی کے گجرے میں
رتجگوں کے کنول پرولائی
آنسوؤں کی پھوار کے نیچے
خامشی لے رہی تھی انگڑائی
منتظر رقصِ نوحہ گر کی تھی
درد کی بے قرار انگنائی
مضمحل اجنبی اندھیرں میں
کھو گئی تھی شبِ شناسائی
دل کو اشفاقؔ یوں جو دکھنا تھا
کیوں پھر اُس مہرباں کی یاد آئی

اشفاق نے اپنی نظم کو طویل نظم کے سانچے میں نہیں ڈھالا ہے۔لیکن ان نظموں میں تسلسل ہے اور اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے لیکن ارتقا ہر نظم میں یکساں نہیں ہے۔نظم آئینہ خانہ نہیں ہے۔ایک تجربے کی

اکائی سے آگے نہیں بڑھتی اور جب تک یہ کیفیت طاری رہتی ہے نظم قائم رہتی ہے۔یعنی نظمیں منصوبہ بندی اور شعوری در و بست سے تعمیر شدہ تخلیقات نہیں ہیں۔ ان میں ایک بے محابا پن سا ہے جیسے ایک کیفیت دل پر طاری ہوئی اور اس بس وہیں مقید کرلیا گیا۔ اس کے متعلقات کو پھیلا کر وسیع تر سرحدوں تک لے جانے کی سعی نہیں ملتی۔ شاید اسی لیے تاثر کو فکر کی سرحد تک پہنچنے تک کا سفر ہی نظم ہوا ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ اشفاق کی شاعری کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں کیا نہیں ہے؟ یا کیا ہونا چاہیے؟ یہ فضول ہے۔ کیوں کہ شاعر کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی انفرادیت کے دائرے کی حرمت اور اس کی پاکیزگی ملحوظ رکھے۔ That Day Will Dawn کی نظمیں پڑھنے والوں کو اس میں جگہ جگہ اپنے دل کی دھڑکن سنائی دے گی۔

مجھے خوشی تو اس بات کی ہے کہ اشفاق کینیڈا میں رہ کر محض پاکستانی یا محض اردو شاعر ہو کر نہیں رہ گئے ہیں۔ وہ اس عالمی بصیرت' آگہی' دردمندی اور کیف سامانی میں شریک ہیں جو اب دنیا کا مقدر ہے اور انسانی تہذیب کا لازمی حصہ بن گئی ہیں۔ قومی اور لسانی سرحدوں نے اس عالمی بصیرت کو اختیار کرنے اور قبول کرنے کے مواقع اردو والوں کے لیے بہت کم فراہم کیے ہیں۔ قصور زیادہ تر اردو والوں کا اپنا ہی ہے کہ وہ اپنی ادبی روایت کے کابوس کو اس درجہ سینے سے لگائے ہوئے ہیں کہ عالمی بصیرت کا کارواں ان کو رگڑتے ہوئے گزر جاتا ہے اور ان کی آنکھیں ماضی کی طرف گڑی رہتی ہیں۔ اشفاق اس کارواں میں شریک بھی ہیں اور ان کی شعری شخصیت اس سے فیض یاب بھی ہوئی ہے لیکن ان کے دل و دماغ میں عالمی بصیرت اور آگہی کی کھڑکیاں ہر وقت کھلی رہتی ہیں۔ یہی مشرق و مغرب کی یکجائی کا عمل ہے جس کی ایک جھلک اشفاق کی شاعری میں نظر آتی ہے اور ان کا یہ شعری مجموعہ That Day will Dawn اس کا خوب صورت اظہار ہے۔